© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر

خورشید احمد

پاکستان اور بھارت کی سیاسی قیادت میں ایک طویل تعطل کے بعد مذاکرات کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ ابتدائی گفتگو مارچ ۱۹۹۷ کے آخری ایام میں وزارت خارجہ کے سیکریٹریوں کی سطح پر ہو گی' پھر وزرائے خارجہ مصروف تکلم ہوں گے اور بالآخر دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم بات چیت شروع کریں گے۔ توقع ظاہر کی جا رہی ہے کہ نصف صدی سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں جو یخ بستگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس میں اس پچاسویں سال میں پاکستان میں جناب نواز شریف کی نئی حکومت کے سفارتی تحرک اور جنوبی ایشیا کے بارے میں امریکہ کی نئی دلچسپیوں کے پس منظر میں تبدیلی رونما ہو گی اور شاید برف کے پگھلنے کا کوئی سامان پیدا ہو جائے۔ ابتدائی خط و کتابت اور بیانات سے جو صورت حال سامنے آ رہی ہے وہ بظاہر حوصلہ افزا نہیں لیکن اس کے باوجود اس سفارتی عمل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے مثبت امکانات اور منفی پیغامات دونوں ہی لحاظ سے! اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس نازک تاریخی موقع پر قوم اور اس کی قیادت کے سامنے ان پہلوؤں کو کھول کر رکھ دیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور جن کی کسوٹی پر اس سفارتی عمل کی کامیابی یا ناکامی کو پرکھا جائے گا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سیاست ہو یا سفارت' دونوں ہی میں مذاکرات کو بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ معاملہ جنگ کا ہو یا امن کا' بالعموم آخری فیصلے مذاکرات کی میز ہی پر ہوتے ہیں' اس لیے مذاکرات سے الرجک ہونا کسی طور بھی صحیح حکمت عملی نہیں' البتہ جس بات کو اہمیت حاصل ہے وہ محض مذاکرات نہیں بلکہ وہ پس منظر ہے جس میں مذاکرات منعقد ہوتے ہیں' وہ اہداف ہیں جن کے حصول کے لیے یہ عمل برپا کیا جاتا ہے' وہ حکمت عملیاں ہیں جن کے تحت مسائل کے حل کی راہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ نیز اپنے مقاصد اور اہداف کا صحیح شعور اور ادراک' اپنے اور مخالف کے کیس کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پوری تیاری' بات چیت میں صحیح ترجیحات کا تعین' قومی امنگوں کا بھرپور احساس' مخالف فریق کی تاریخ' اس کی نفسیات' اس کے عزائم اور ترجیحات اور اس کے طریق واردات پر مکمل عبور اور سفارت کاری کی چالوں اور چابک دستیوں کو سمجھنے اور ان کا موثر توڑ کرنے کی صلاحیت --- یہ وہ امور ہیں جن کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اور یہی وہ پہلو ہیں جن کی طرف ہم پاکستان کی موجودہ قیادت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ بھارت کی قیادت سے معاملہ کرتے وقت وہ ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مفادات اور اسٹرے ٹیجک ترجیحات کا مکمل تحفظ کر سکیں اور ہر اس جال سے پوری ہوشیاری کے ساتھ بچ سکیں جس میں بھارت کی قیادت یا امریکہ کے سیاست کار اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔ ان امور پر قومی سطح پر بحث و گفتگو اور پارلیمنٹ اور قوم کو اعتماد میں لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا سفارت کاری میں پیش قدمی۔ اس امر کی ضرورت اس لیے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاسی قیادت کو بھارت اور اس کی قیادت سے معاملہ کرنے کا وسیع تجربہ حاصل نہیں ہے۔ ہمارے ارباب اقتدار او دفتر خارجہ کے اہل کار اب اس نسل کے تجربے سے محروم ہو چکے ہیں جس نے تحریک آزادی کے دوران ہندو قیادت سے داؤ پیچ کیا تھا اور اس کے مزاج سے واقف تھی۔ بھارت کی ٹیم میں اب بھی پرانے گھاگ موجود ہیں اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری مذاکراتی ٹیم' وزارت خارجہ سے وزیراعظم کے معاونین تک اپنا ہوم ورک پوری محنت سے کرے اور ان لوگوں سے بھرپور استفادہ کرے جو اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف اور اس بحر کے غوطہ زن ہیں۔

بھارت سے مذاکرات کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ تحریک پاکستان کی قیادت نے انگریز اور ہندو دونوں ہی سے مذاکرات کی طویل لڑائیاں لڑی ہیں۔ پھر قیام پاکستان کے بعد بھی مذاکرات کے کئی دور ہوئے جن میں لیاقت نہرو مذاکرات' ایوب نہرو مذاکرات' ایوب شاستری مذاکرات' بھٹو بلدیو سنگھ مذاکرات' بھٹو اندرا مذاکرات' ضیا راجیو مذاکرات' بے نظیر راجیو مذاکرات' اپنے اپنے اعتبار سے اہم ہیں۔ میاں نواز شریف کو بھی اپنے پہلے دور اقتدار میں وی پی سنگھ اور چندر شیکر سے بات چیت کا موقع ملا ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش جنوری ۱۹۹۴ میں ڈکسٹ شہریار بات چیت تھی جس کے بعد یہ سلسلہ عملاً ختم ہو گیا اور اس کی بنیادی وجہ بھارت کا طے شدہ امور پر عمل کرنے سے انکار اور کشمیر کے معاملہ پر بات چیت سے اغماز تھا۔

اس وقت جس پس منظر میں بات چیت کا آغاز ہو رہا ہے اسے متعین طور پر سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اس سلسلے کی پہلی اور شاید سب سے اہم چیز وہ عالمی صورت حال ہے جو اشتراکیت کے زوال' روسی ایمپائر کی شکست و ریخت اور سرد جنگ کے خاتمے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے جس میں امریکہ واحد سوپر پاور کی حیثیت سے نئے عالمی دروبست کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت کا روس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گہرا تعلق تھا اور غیر وابستگی کی نام نہاد سیاست (politics of non-alignment) کے باوجود سیاسی' معاشی اور عسکری اعتبار سے روس ہی بھارت کا سب سے بڑا اور موثر حلیف تھا۔ لیکن حالیہ تبدیلی کے بعد بھارت نے اپنی عالمی سفارت کاری میں نئی راہیں تلاش کرنے کی کوششیں کی ہیں اور اب امریکہ اور چین دونوں سے اس نے نئے تعلقات استوار کرنے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ نیز امریکہ نے بھی بھارت سے نئے اسٹرے ٹیجک روابط کا آغاز کر دیا ہے اور چین کے مقابلے میں ایک علاقائی طاقت کی حیثیت سے اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ تجارت' معیشت اور سرمایہ کاری کے میدان میں نیا تعاون شروع ہو چکا ہے۔ اسلحہ کی خرید و فروخت کا باب بھی کھل گیا ہے اور نیوکلیر پالیسی پر اختلاف کرنے کے باوجود بھارت اور امریکہ میں قرب اور تعاون میں برابر اضافہ ہو رہا ہے حتیٰ کہ امریکہ کے دانشور اور سیاست کار (ہنری کسنجر سمیت) بھارت کو سیکیورٹی کونسل میں مستقل نشست (جس کے ساتھ ویٹو کا اختیار وابستہ ہے) تک دلانے کے لیے سرگرم ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ اور بھارت اور پاکستان کے تعلقات میں تناؤ بھارت کے اس نئے رول میں ایک رکاوٹ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کئی سال سے امریکی سوچ بچار کرنے والے ادارے (think tanks) اور کانگریس کے ارکان اور کمیٹیاں مختلف قسم کے initiatives لے رہے ہیں اور تجاویز کے تانے بانے درست کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ نے پاکستان سے اپنی دیرینہ دوستی اور معاہدات کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا اور نئی "محبتوں" کی تلاش میں بے وفائی اور ہرجائی پن کا مظاہرہ کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کی!

اس وقت امریکہ کا سارا زور اس پر ہے کہ کشمیر کے مسئلے کو' جو بھارت اور پاکستان کے تعلقات کے بارے میں شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے' تقریباً سرد خانے میں ڈال دیا جائے اور دونوں کو اعتماد بحال کرنے (confidence building) اور جزوی مسائل (peripheral issues) پر تعاون کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ کوئی نئی کوشش نہیں ہے۔ امریکہ نے یہی راستہ فلسطین کے مسئلے کے بارے میں اختیار کیا اور اب یہی حکمت عملی کشمیر پر آزمائی جا رہی ہے' بلالحاظ اس امر کے کہ پاکستان اور بھارت کے سلسلے میں یہ کوئی نئی حکمت عملی نہیں ہے۔ ۱۹۶۶ میں تاشقند میں بھی اس حکمت عملی کو اختیار کیا گیا تھا اور پھر ۱۹۷۲ میں شملہ معاہدہ بھی اسی حکمت عملی کا شاہکار تھا لیکن دونوں برف کو پگھلانے اور مسائل کے حل کی کوئی راہ روشن کرنے میں ناکام رہے۔ اسی آزمائے ہوئے نسخہ کو ایک بار پھر نیا لباس پہنا کر ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

بھارت اور امریکہ دونوں ہی اس کے مدعی ہیں۔ مسز رابن رافیل گذشتہ چند سالوں میں بار بار اس کا اعادہ کر چکی ہیں اور اس کا تازہ ترین اظہار امریکی ایوان نمایندگان کی سب کمیٹی برائے ایشیا پیسی فک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے ۱۲ مارچ کو کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کے سامنے ان کی ہم نوائی پاکستان میں امریکہ کے سابق سفیر رابرٹ اوکلے نیشنل ڈیمو کریٹک انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر برائے ایشیا، ایرک بوم لینڈ اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے ادارہ برائے مطالعہ سفارت کاری کے ڈائرکٹر ہوورڈ بی شیفر نے بھی کیا ہے۔ انھی خطوط پر مشہور دانشور اسٹیفن کوہن کئی سال سے لکھ رہا ہے اور حال ہی میں (فروری ۱۹۹۷) کونسل آف فورن ریلیشنز کی ایک ٹاسک فورس کی رپورٹ "بھارت اور پاکستان کے لیے ایک نئی امریکی پالیسی" (A new U.S. policy toward India and Pakistan) شائع ہوئی ہے جس کا واضح پیغام بھی اسی سمت ہے۔ اور اس ٹاسک فورس میں امریکہ کے چوٹی کے سولہ دانشور سفرا اور ماہرین شریک تھے۔ اس سب پر سونے کا سہاگہ وہ بیانات ہیں جو بھارت میں امریکہ کے سفیر فرینک وائزنر مسلسل دے رہے ہیں اور جن میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کو "قصۂ پارینہ" اور استصواب کے سوال کو "بے معنی بات" (meaningless) قرار دیا جا رہا ہے اور ذہنوں کو کسی sell-out اور کسی تقسیم ریاست کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ موصوف یہ گل افشانیاں بھارت کی زمین پر اور کشمیر کی وادیوں میں نہیں کر رہے بلکہ ان کی جسارت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خود پاکستان میں بلکہ فوجی اسٹاف کالج میں (واضح رہے فوجی کالج میں اس بات کا اظہار خاص معنویت رکھتا ہے) ہمیں یہ وعظ سنا گئے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

ایک طرف امریکہ کی یہ سفارتی یلغار ہے تو دوسری طرف بڑے سوچے سمجھے انداز میں فاروق عبداللہ صاحب نے یہ پتھر پھینکا ہے کہ لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد بنا کر کشمیر کو تقسیم کر لیا جائے۔ پہلے تو بھارت کی قیادت کی طرف سے اس پر برہمی کا اظہار ہوا لیکن جلد ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور اب بھارتی فوج کے تین سابق سربراہوں نے کھل کر کشمیر پر اس چھری چلانے کی تائید کر دی ہے اور اشارے یہ بھی دیے ہیں کہ خود شملہ معاہدہ کا اصل ہدف تقسیم ہی کی کوئی تجویز تھی۔ اس حقیقت کو یکسر نظرانداز کیا جا رہا ہے کہ پچاس سال سے ساری تحریک اور خصوصیت سے پچھلے آٹھ نو سال کی عوامی، سیاسی اور جہادی تحریک مقبوضہ کشمیر کو بھارت کے ناجائز تسلط سے آزادی دلانے کے لیے ہے جس کے لیے ہزاروں نوجوان اپنی جانوں کا اور ہزاروں عفت مآب دختران کشمیر اپنی عزت و آبرو کا نذرانہ پیش کر چکی ہیں۔ مسئلہ کسی سرحد کے تعین کا نہیں، پوری ریاست کے مستقبل کا ہے اور اس سے اب کوئی فرار ممکن نہیں۔ ان شاء اللہ!

اس پس منظر میں جو چیز تشویش کا باعث ہے وہ پاکستان کی قیادت کی طرف سے مذاکرات کے باب میں بے چینی کا اظہار ہے حالانکہ وقت کا تقاضا احتیاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے۔ الیکشن کی مہم کے دوران بھی اس بات کو محسوس کیا گیا تھا کہ جناب نواز شریف اور مسلم لیگ کی قیادت نے ان تمام امور کو جو بھارت اور پاکستان میں تنازعہ کا باعث ہیں بڑی کم اہمیت دی جب کہ بھارت سے دوستی اور تعلقات کی بحالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۰ سال پہلے

(۱) تفسیر آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ' (۲) وصیت رسول ' (۳) مسلمانوں پر ایک نظر: یہ تینوں رسائل مولوی سید ابو الحسن علی صاحب' معلم دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کی تالیف ہیں۔ پہلے رسالے میں مولف نے تکمیل دین کے معنی سمجھائے ہیں۔ تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو جو کچھ ہدایت دینی تھی اور بندوں کو دین و دنیا کی بہتری کے لیے جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ پوری کی پوری دے دی گئی۔ اب اس میں نہ کچھ گھٹانے کی ضرورت ہے نہ بڑھانے کی۔ مسلمان اگر فلاح پا سکتے ہیں تو دین کی پوری تعلیم پر اعتقاد رکھ کر اور عمل کر کے ہی پا سکتے ہیں۔ کمی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے اور زیادتی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے۔۔۔۔ دوسرے رسالے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں جمع کی گئی ہیں اور مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم کو سرکار سے محبت ہے تو ان وصیتوں کو پورا کرو۔

تیسرے رسالے میں مولف نے بتایا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو دیکھ کر قلب پر تین اثر پڑتے ہیں۔ پہلی نظر میں مسرت ہوتی ہے کہ یا تو امت کبھی ہزاروں کی تعداد میں تھی' یا اب کروڑوں تک پہنچ چکی ہے اور روے زمین کے گوشے گوشے میں پہنچی ہوئی ہے۔ دوسری نظر میں حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ یا تو اس قلیل اور بے سروسامان گروہ کی سطوت کا وہ عالم تھا' یا اب اس عظیم الشان قوم کی کمزوری اس حد کو پہنچ گئی ہے۔ تیسری نظر میں دل پر حسرت چھا جاتی ہے کہ کاش ان بے کار کروڑوں کے بجائے وہی کار آمد ہزاروں اس قوم میں ہوتے۔ تین پیسے کے ٹکٹ بھیج کر تینوں رسائل مفت طلب کیے جا سکتے ہیں۔

دعائیں: تالیف مولوی ابو الحسن علی صاحب۔ ضخامت: ۳۲ صفحات۔ قیمت ۲ آنے۔

اس رسالے میں مولف نے قرآن مجید اور احادیث نبوی سے دعائیں جمع کی ہیں اور ہر دعا کے مقابل اس کا ترجمہ دے دیا ہے۔۔۔۔ علاوہ بریں دعا اس نصب العین اور مطمح نظر پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو دعا مانگنے والے کے پیش نظر ہو کہ انسان جس قدر بلند خیال اور پاکیزہ خود ہو گا ویسی ہی بلند اور پاک اس کی حاجتیں بھی ہوں گی' اور انھی حاجتوں کا اظہار وہ اپنی دعا میں کرے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو دعائیں ہم کو سکھائی ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف احوال میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے جو دعائیں اپنے خدا سے مانگی ہیں وہ ایک طرف ہم کو یہ بتاتی ہیں کہ مسلمان کس طرح ہر ہر معاملے میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے' اور دوسری طرف یہ تعلیم ہم کو دیتی ہیں کہ ایک سچے مسلمان کے مقاصد حیات کیا ہیں اور اس کی نگاہ میں کیا چیزیں اہمیت رکھتی ہیں جن کو وہ اپنے مولیٰ کی مدد سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(مطبوعات' جلد ۱۰' عدد ۲' اپریل ۱۹۳۷' صفر ۱۳۵۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ

بلاشبہ یہ پس منظر مذاکرات کے لیے نیک شگون کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس پر پاکستان کے عوام اور سوچنے سمجھنے والے عناصر مضطرب ہیں اور تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ نوائے وقت، جنگ، دی مسلم اور دی نیشن سب ہی نے اپنے ادارتی کالموں میں تشویش کا اظہار کیا ہے جو قوم کے حقیقی جذبات کا آئینہ ہے۔ صرف ایک اقتباس:

"دراصل ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کی حب الوطنی تو شک و شبہ سے بالاتر ہو گی مگر وہ معاملات کو قومی غیرت اور وقار کے بجائے نفع و نقصان کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے ہائی کمشنر تو مسئلہ کشمیر کو بھلا کر تجارت کی بات کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ ان کے ملک کو انتہائی پسندیدہ قوم (most favoured nation) قرار دیا جائے۔ گویا کشمیری عوام پر ظلم و ستم، ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت، جنگ کی دھمکیاں اور "را" کی طرف سے دہشت گردی اور تخریب کاری کی ساری کارروائیاں بھول کر ہم اپنے ازلی دشمن ملک کو دوست تسلیم کریں تاکہ وہ "دوستی" کے سارے تقاضے پورے کر سکے۔ ان حالات میں ہمارے وزیر تجارت کو جوش جوانی میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو قوم اور کشمیری عوام کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنے۔ بھارت اگر مقبوضہ کشمیر میں استصواب رائے کے بجائے آزاد کشمیر پر نظر جمائے ہوئے ہے اور وہ اسے بھی ہم سے "آزاد" کرانے کا تہیہ کر چکا ہے تو پھر ہم اس خوش فہمی کا شکار کیوں ہیں کہ اس سال مسئلہ کشمیر حل کر کے ہم تجارت کے لیے سرحدیں کھول دیں گے اور ویزے کی پابندی بھی برقرار نہیں رہنی چاہیے۔

"دراصل بھارت میں اب تک گھاگ سیاست دان برسر اقتدار ہیں جو اپنے روایتی مگر غلط موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ وہ پوری دنیا کو اپنے غلط موقف کے باوجود اپنا ہمنوا بنانے یا کم از کم پاکستان کی اصولی حمایت ترک کرنے کے لیے کوشاں ہیں مگر ہم اپنے صحیح موقف کے باوجود اپنی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے دوستی کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ آخر جلد بازی کی وجہ کیا ہے۔ اگر امریکی دباؤ ہے تو اس کے بارے میں عوام کو اعتماد میں لیا جائے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر سیر حاصل بحث کی جائے اور جس طرح بھارتی وزیر دفاع نے اپنے عوامی نمایندوں کے سامنے موقف بیان کیا ہے اسی طرح قوم کو آگاہ کیا جائے۔ مسئلہ کشمیر، ایٹمی پروگرام، اقتصادی و معاشی حکمت عملی اور امن و امان کے مسائل حکومت کی فوری توجہ چاہتے ہیں۔ گوڑا صاحب کو ملنے کی بھی کوئی جلدی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ بے مقصد ملاقات اور مذاکرات سے کشمیری عوام کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ میاں صاحب اپنی کابینہ میں ایسے لوگ شامل کریں جو کم از کم مختلف ایشوز پر قومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقف اور اس کی نزاکتوں کا ادراک رکھتے ہوں۔ صرف مادی نفع و نقصان کے حوالے سے سوچنے والی قومیں عزت و وقار سے زندہ نہیں رہ سکتیں۔ نظریہ اور اصول ہی قوم کی اصل اساس ہوتے ہیں۔ ہمیں مسئلہ کشمیر پر موقف میں کوئی لچک پیدا نہیں کرنی چاہیے اور اس کے حل پر آمادگی کے بغیر بھارت سے تجارت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہیے۔

(نوائے وقت' اداریہ : "بھارت کے عزائم اور ہماری ناپختہ کاری" ۷ مارچ ۹۷ء)

بھارت اس وقت مذاکرات میں جن وجوہ سے دلچسپی لے رہا ہے ان کا تعلق اس کے داخلی حالات سے بھی ہے اور عالمی سیاست اور خود پاکستان اور اس کی قیادت کے بارے اس کے خاص اندازوں سے بھی۔ کا خیال ہے کہ امریکہ اس وقت کشمیر کے مسئلہ کو پس پشت ڈال کر تجارتی اور ثقافتی تعلقات کی استواری کے لیے کوشاں ہے اور یہ وقت پاکستان کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے سازگار ہے۔ مزید برآں اس کا اندازہ ہے کہ پاکستان اس وقت معاشی مشکلات میں مبتلا ہے۔ قرضوں کا بار کمر توڑ رہا ہے۔ دفاع کے لیے بھی وسائل بہ دقت فراہم کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے یہی وہ وقت ہے جب ان اخراجات کا ہوّا دکھا کر پاکستان کی دفاعی صلاحیت کو کمزور کیا جا سکتا ہے اور پاکستان کی منڈیوں کو بھارت کی مصنوعات کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔ نواز شریف صاحب کی حکومت معاشی معاملات کو اولیت دے رہی ہے اس لیے اسے تجارت اور معاشی ترقی کا سبز باغ دکھا کر بھارت اور امریکہ کی مشترک حکمت عملی کے جال میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ بھارتی قیادت کا یہ بھی خیال ہے کہ پاکستان کی وہ قیادت جس نے تقسیم ملک کے خونی ڈرامے کو بہ نظر سر نہیں دیکھا اور جسے تحریک آزادی کے دوران ہندو قیادت کی چالاکیوں کا تجربہ نہیں اس کے دماغ میں انتخابی مینڈیٹ کی ہوا بھر کر اسے چکنی چپڑی باتوں سے لبھایا جا سکے بلکہ اب تو بقول اسٹیفن کوہن ' جناب نواز شریف صاحب اور گوڑا صاحب کو امن کے نوبل پرائز کا دلاسا بھی دیا جا رہا ہے۔

ع ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا!

لیکن ان ساری کوششوں اور چالوں کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈالنا' اور سیاچین اور تجارت جیسے جزوی مسائل میں الجھا کر کشمیر کی تحریک پر ایک کاری ضرب لگا کر تبدیلی کے ان امکانات کو معدوم کر دینا جو سات سالہ تحریک جہاد کی بنا پر رونما ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے مسئلہ کشمیر ایک بار پھر نہ صرف یہ کہ زندہ ہوا ہے اور دنیا بھر میں بھارت کا منہ کالا کرنے کا سبب بن رہا ہے بلکہ خود بھارت یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ اس عوامی تحریک کو محض جبر اور تشدد کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا' اس لیے اب اس کے لیے پاکستان کی معاونت حاصل کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توجہ کا مرکز کشمیر سے ہٹا کر معاشی تعاون اور تجارت کے فروغ کو بنایا جا رہا ہے۔ چیمبرز آف کامرس کو شریک جہاد کیا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کے تاجر حلقوں میں ان افراد کو ہمنوا بنایا جا رہا ہے جو امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتے ہیں اور نفع عاجلہ کی خاطر ملک کے حقیقی اور دُوررس مفادات سے صرف نظر کرنے کو تیار ہیں۔ صحافیوں اور دانشوروں کی ایک لابی ہے جسے استعمال کیا جا رہا ہے اور نواز شریف صاحب کی دکھتی رگ "یعنی معاشی مسائل کے حل" سے فائدہ اٹھا کر ایک بڑا ہی خطرناک سنیاریو (scenario) تصنیف کیا جا رہا ہے جس میں ایک طرف یہ امید دلائی جا رہی ہے کہ بھارت سے تجارت کے دروازے کھلتے ہی پاکستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے' قیمتیں گر جائیں گی' افراط زر میں کمی ہو گی' وفاقی اخراجات کا بوجھ کم ہو جائے گا اور نواز شریف صاحب کی حکومت فتح کے شادیانے بجانے لگے گی۔

مسئلہ کشمیر کے معاشی پہلوؤں سے صرف نظر بھی ممکن نہیں۔ بلاشبہ ہمارے لیے مسئلہ کی اولین اہمیت نظریاتی' اخلاقی اور سیاسی ہے اور کوئی قوم محض موہوم معاشی فوائد کی خاطر ان پہلوؤں کو قربان نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر خالص معاشی اعتبار سے دیکھا جائے کہ پاکستان کی معیشت کی بقا کا انحصار کشمیر سے آنے والے دریاؤں پر ہے۔ بھارت کا بھی ایک اہم ہدف ان دریاؤں کے منبع پر قبضہ ہے تاکہ پانی کے بہاؤ کو کنٹرول کیا جا سکے۔ یہی کھیل بھارت بنگلہ دیش سے کھیل رہا ہے اور فرخا پر اپنے تسلط کو اس کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ یہی وہ پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ انڈس معاہدہ کے بعد اس نے وولر بیراج اسی مقصد کے لیے تعمیر کیا تھا۔ یہ تو مجاہدین کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے بھارت کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور وہ پاکستان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

ان وجوہ کی بنا پر تجارت اور معیشت پہلے اور کشمیر بعد میں کے گمراہ کن ہی نہیں تباہ کن حربے کا پورا ادراک ضروری ہے۔ ہماری سیاسی قیادت کو بھارت کی اس چال کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور گربہ کشتن روز اول کے اصول پر اس کا پردہ پہلے دن ہی چاک کر دینا چاہیے۔ ہماری قومی ترجیحات میں کشمیر اول اور کشمیر آخر ہے۔ باقی سب اس کے بعد آتا ہے۔

بھارت کا ذہن خواہ کچھ بھی ہو' ہمیں یقین ہے کہ پاکستانی قوم بیدار ہے اور وہ کسی ایسے جال میں ہرگز پھنسنے کو تیار نہیں۔ ہاں اگر بھارت کشمیر کے مرکزی مسئلہ کو خود اپنے وعدوں' یو این او کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق طے کرنے کو تیار ہو تو پاکستانی قوم بڑی خوشی کے ساتھ تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز کرنے کو تیار ہو گی --- اور اس کا انحصار واضح اور دوٹوک عملی پروگرام پر ہو گا یعنی خوشنما الفاظ اور کہہ مکرنیوں پر نہیں۔

پاک بھارت تعلقات کے سلسلہ میں جن بنیادی امور کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے وہ مختصراً اس تاریخی قرارداد میں آ گئے ہیں جو پاکستان کے سینٹ میں ۱۸ ستمبر ۱۹۸۹ کو متفقہ طور پر منظور کی گئی تھی اور جسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کرنے کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہے۔ آج کی قیادت کو اس قرارداد کے ایک ایک لفظ کو بغور سمجھنا اور اپنانا چاہیے اور اسی فریم ورک میں بھارت کی قیادت سے بات چیت کی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے۔ قرارداد کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کا مکمل متن یہاں پیش کرتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! بھارت نے اپنی فوجی قوت میں جو غیر متوازن اضافہ کیا ہے سینٹ آف پاکستان کو اس پر تشویش ہے اور وہ دوسرے ملکوں کے اضطراب میں بھی .. برابر کا شریک ہے جو انھیں علاقے کے امن اور سلامتی پر پڑنے والے اس کے اثرات اور بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کے سلسلے میں خدشات کی بنا پر لاحق ہے اور اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ علاقے میں امن اور سکون کا انحصار اقوام متحدہ کے چارٹر میں طے شدہ اصولوں اور قدروں کے ساتھ مخلصانہ اور دیانت دارانہ وابستگی پر ہے۔

سینٹ مزید اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ بالعموم اور اپنے ہمسایوں بالخصوص بھارت کے ساتھ باوقار، امن اور دوستی کے ساتھ رہنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اپنی نظریاتی اور ثقافتی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے، مختلف درجات کی ترقی کی روشنی میں اقتصادی مفادات کے تحفظ اور ان مسائل کے حل کے ذریعے، جنھوں نے گذشتہ چار دہائیوں سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات کو مجروح کر رکھا ہے اور جن کی خرابی میں کئی سالوں کے دوران بھارت کے ساتھ دوستی، تعاون اور ہمسائیگی کے اچھے تعلقات کو مستحکم اور مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور وہ اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ پایدار امن اور قابل تائید دوستی کو صرف ذیل کے اصولوں پر استوار کیا جا سکتا ہے:

۱۔ علاقے کے تمام ملکوں کو، ان کے سائز اور فوجی قوت سے قطع نظر برابر کی حیثیت سے قبول کرنا، توسیع پسندانہ رویے اور طرز عمل سے متعلق ہر قسم کی علامات سے احتراز۔

۲۔ سیاچین گلیشیئر سے بھارتی فوجیوں کا فی الفور انخلا جس پر بھارت نے بین الاقوامی قانون کے تمام اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبضہ کیا، بشمول شملہ معاہدے کے، جس کے تحت بھارت نے اپنے آپ کو ۱۹۷۲ء کے وقت کی کنٹرول لائن کا پابند بنایا تھا۔

۳۔ سلامتی کونسل کی قراردادوں اور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کے مطالبے کے مطابق رائے شماری کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل۔

۴۔ علاقے کے ملکوں کی خود مختاری، یک جہتی، آزادی اور نظریات کا احترام اور ان کے اس حق کا بھی احترام کہ وہ اپنے دفاع کے لیے جس قسم کے حفاظتی انتظامات اختیار کرنا چاہیں، ان کا وہ خود فیصلہ کر سکیں۔

۵۔ ان ممالک کے اس حق کی تصدیق کہ وہ اقتصادی توانائی اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تمام اقسام کی ٹیکنالوجی کو ترقی دے سکیں۔

۶۔ اقلیتوں کے حقوق کا احترام، کیونکہ مسلم اُمّہ ہندوستان اور دوسری جگہوں پر مسلمانوں کے ساتھ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ ہو رہا ہے اس بارے میں لاتعلق نہیں رہ سکتی۔

۷۔ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور کھلی اور چھپی تمام سرگرمیوں کا خاتمہ۔

سینٹ مزید اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ:

۱۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان پیچیدہ مسائل کو بصیرت، حقیقت پسندی اور احتیاط سے نبٹانے کی ضرورت ہے۔

۲۔ بھارت کے ساتھ رابطے اور مکالمے کی کوشش میں ہمیں بنیادی مسائل کے جلد حل کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

۳۔ پاکستان کے مقصد اور اصولی پوزیشن کے حق میں علاقے کے ملکوں اور دنیا کی حمایت کو حرکت میں لانے کے لیے قومی اور بین الاقوامی سطح پر پر تخیل پالیسیوں کے ذریعے حکومت کو مذاکرات کے ساتھ ایک زیادہ زوردار پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔

۴۔ حکومت کو جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی، ان کے حق خود ارادیت کے لیے اپنی جدوجہد میں ان کے ساتھ یک جہتی کا اظہار جاری رکھنا چاہیے۔

۵۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ خارجہ پالیسی سے متعلق اہم تبدیلیوں کے بارے میں دونوں ایوانوں کو باخبر رکھے اور ان کو زیر بحث لائے۔

سینٹ حکومت کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی تخیلات اور عوام کی امنگوں کے مطابق خارجہ پالیسی کو چلانے، ملک کی خود مختاری، یک جہتی اور اتحاد کو برقرار رکھنے اور عالمی امور میں اس کے کردار ادا کرنے کے سلسلے میں ہر ممکنہ تعاون کرے گا۔

اس قرارداد کی اہمیت کے کئی پہلو ہیں۔ ہم مختصراً ان میں سے چند پر توجہ مرکوز کرانا چاہتے ہیں:

۱۔ پاکستان کی تاریخ میں پاک بھارت تعلقات کے سلسلہ میں یہ واحد قرارداد ہے جو ایک منتخب ایوان نے مکمل اتفاق رائے سے منظور کی۔ اگر اس کے پیش کرنے والوں میں راقم (جماعت اسلامی) اور راجہ ظفرالحق صاحب (مسلم لیگ) تھے تو اس کی تائید کرنے والوں میں اس وقت کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان صاحب اور پیپلزپارٹی اور دوسری ان سب جماعتوں کی قیادت شامل ہے جو سینٹ میں تھی۔ اسی طرح اسے قومی سوچ کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے اور کسی حکومت کو اس سے ہٹ کر راستہ اختیار کرتے وقت سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ وہ قوم اور اس کے منتخب اداروں کو اعتماد میں لیے بغیر کسی انحرافی راستے کو اختیار کرنے کی مجاز نہیں۔

۲۔ پاکستان اور بھارت میں دوستی مطلوب ہے لیکن ملک و ملت کے کلیدی مفادات کے تحفظ کے ساتھ، ان کی قربانی یا اضمحلال کی قیمت پر نہیں۔ اس لیے اس کی بنیاد ان حقائق پر رکھی گئی ہے جو حالات کو خراب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا سبب بنے ہیں۔ ان میں سب سے اہم بھارت کی طرف سے پاکستان کے نظریاتی اور ثقافتی تشخص کا انکار اور ان بنیادی اقدار کی تنقیص اور تخفیف ہے جن پر یہ ملک قائم ہے۔ ہم بھارت کے سیکولرازم کے (جیسا بھی وہ ہے) ناقد نہیں لیکن وہ ہمارے دینی اور اخلاقی وجود اور تشخص کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور مذہب اور اخلاق کی بنیاد پر قائم ہونے والے ملک کو نہ صرف غیر فطری قرار دیتا ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اس کو زندہ رہنے کا حق بھی دینے کو تیار نہیں جو سامراجی ذہن کی بدترین مثال ہے۔

اسی طرح بھارت کے ایک بڑے ملک ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ ایک جغرافیائی اور معاشی حقیقت ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ علاقے میں اس کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے اور دوسرے ملک اس کے باج گزار بن کر رہیں۔ یہی دراصل سامراج اور امپیریلزم کی اصل ہے اور جب تک بھارت کی یہ ذہنیت اور عزائم موجود ہیں' علاقہ میں امن کا قیام محال ہے۔

اس قرارداد میں ان دونوں اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے اور مساوات اور ایک دوسرے کو اختلاف کے باوجود کھلے دل سے تسلیم کرنے کی بنیاد پر دوستی استوار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

۳۔ اس قرارداد میں جزوی (piece-meal) اور قدم بقدم (step-by-step) طریق کار کے مقابلے میں ایک مناسب پیکج کی شکل میں معاملات کو طے کر کے دوستی کی راہ ہموار کرنے کی حکمت عملی کو پیش کیا گیا ہے جو قابل عمل ہے اور نتیجہ کشا ہے۔ دوسرا راستہ بار بار آزمایا گیا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے غیر بار آور رہا ہے اور آزمودہ را آزمودن جہل است!

۴۔ اس میں اس اصول کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ جو باتیں پہلے طے ہو گئی ہیں ان کو دوبارہ کھولنا لاحاصل ہے۔ سیاچین کے مسئلہ پر ۱۹۸۹ میں معاملات طے ہو گئے تھے اور صرف عمل باقی تھا جو آج تک نہیں ہوا ہے۔ ۱۹۷۲ سے قبل کی پوزیشن بحال کرنا طے ہو چکا ہے اب دوبارہ demilitarisation کا سوال اٹھانے کے کیا معنی ہیں۔ کشمیر کے معاملے میں بھارت طے شدہ امور پر عمل سے گریز کرتا رہا ہے۔ اس طرح تو معاملات کبھی بھی طے نہیں ہو سکتے۔ ہم صرف وقت گزاری ہی کرتے رہیں گے۔

۵۔ جن سات اصولوں کو اس میں پیش کیا گیا وہ سب اور ان میں سے ہر ایک اہم ہے اور دوستانہ تعلقات کی کامیابی کے لیے ناقابل تخفیف شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھی یہ اصول اتنے ہی اہم ہیں جتنے ۱۹۸۹ میں تھے۔ خصوصیت سے بھارت کی جنگی تیاریوں اور علاقائی اور عالمی قوت بننے کے منصوبوں کی روشنی میں۔

۶۔ مسئلہ کشمیر کی مرکزی حیثیت اس قرارداد میں بالکل واضح ہے۔ ایک' مسئلے کی اولیت کی حیثیت سے اور دوسرے' تحریک مزاحمت و جہاد کی مکمل تائید جاری رکھنے اور اس کے لیے عالمی رائے کو متحرک کرنے کے رشتہ سے۔ آج بھی ہمارے موقف کا مرکز اور محور کشمیر ہی ہے اور اس سے ہٹ کر کوئی اور چیز نہیں ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی۔

۷۔ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے احترام کے ساتھ مسلمان اقلیت کے حقوق اور اہل جموں و کشمیر کے حق خود ارادیت کی مستقل حیثیت کو اس میں اجاگر کیا گیا ہے جو تحریک پاکستان کا لازمی تقاضا ہے۔

۸۔ اس قرارداد کی آخری اہم بات یہ ہے کہ اس میں پالیسی سازی میں قوم اور اس کے منتخب نمایندوں کے رول اور کردار کو بالکل دو ٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہی وہ میکنزم ہے جس میں قومی پالیسیوں کی تشکیل اور ان کا احتساب ہونا چاہیے۔ پاک بھارت مذاکرات کے لیے صحیح حکمت عملی اور مناسب پیکج اس قرارداد پر ہی مبنی ہو سکتا ہے۔

ہم اس وقت ان تلخ حقائق کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے جن کی وجہ سے گذشتہ پچاس سال میں ہمارے تعلقات بھارت سے کشیدہ ہی نہیں خون آلود رہے ہیں۔ پاکستان کے قیام اور اس کو ایک مبنی بر حق ریاست کی حقیقت سے تسلیم نہ کرنا اور پورے علاقے پر اپنی قیادت اور سیادت قائم کرنے کے عزائم ہی نہیں عملی اقدام، صلح کی راہ کو مسدود کرنے والے پتھر رہے ہیں۔ بھارت کی جنگی صلاحیت اور قوت کے ذریعے علاقوں کے حصول کی روش پورے جنوب ایشیا کے لیے خطرہ کا باعث رہی ہے۔ پاکستان ہی نہیں علاقے کے تمام ہی ممالک کے ساتھ بھارت کا رویہ حاکمانہ اور غاصبانہ رہا ہے۔ ہم ان دوسرے تمام حقائق کا اس وقت ذکر نہیں کر رہے۔ ہم اس وقت صرف مستقبل کے ناطے سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بھارت سے گفتگو ایک اور صرف ایک مسئلہ پر ہو سکتی ہے اور وہ ہے کشمیر کا مسئلہ۔ یہی گفتگو کا آغاز ہے اور اس پر اس کا انجام منحصر ہے۔ باقی تمام مسائل اس ایک مسئلہ کے حل کے بعد، یا کم از کم اس کے حل کی طرف متعین خطوط پر طے شدہ ٹائم ٹیبل کے مطابق عملی پیش رفت کے بعد زیر غور آ سکتے ہیں۔ نہ سیاچین کا مسئلہ نقطہ آغاز ہے اور نہ تجارت یا ثقافت یا رسل و رسائل اور بجلی کی فراہمی۔ جب تک کشمیر کا مسئلہ گرفت میں نہیں آتا اس وقت تک کسی دوسرے مسئلے کے بارے میں کسی پیش رفت کا کوئی سوال نہیں۔ اوسلو کا تجربہ فلسطین کی قیادت کر چکی ہے۔ مقبوضہ عرب اردن کے صرف تین فیصد رقبہ پر میونسپل انتظام حاصل کر کے اہل فلسطین نے کیا پایا؟ آج فلسطین کی زمین جہنم زار بنی ہوئی ہے اور مشرقی بیت المقدس میں مسلمانوں کی زمین ہی نہیں مسلمانوں کی لاشوں پر اسرائیلی فوج عالمی رائے عامہ کو حقارت سے رد کر کے یہودیوں کی نئی بستیاں بنا رہی ہے۔ یہ ہے اصل مسئلہ کو موخر کر کے جزوی معاملات پر بات چیت کرنے کا نتیجہ! پاک بھارت تعلقات صرف اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب مرکزی امور پر بات چیت ہو اور ایک مکمل پیکج طے ہو جس کے نتیجے میں تنازع کے اصل اسباب دور ہوں اور حقیقی دوستی کی راہ ہموار ہو سکے۔ piece-meal اپروچ مسئلہ کا حل نہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات کو مسلسل الجھائے رکھنے کا تیر بہدف نسخہ ہے۔ اس لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ پر بات ہو' ادھر ادھر کی ہوائیاں نہ اڑائی جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بات چیت اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے جب ایک ایسا طریق کار طے ہو جائے جو عملی اقدام سے وابستہ ہو اور ناکامی کی صورت تعطل اور ڈیڈ لاک نہ ہو بلکہ ثالثی کے ذریعے معاملے کو ختم کرنے کا انتظام ہو۔ یہی وہ فراست ہے جو قائداعظم اور لیاقت علی خاں کی مذاکراتی سیاست سے سامنے آتی ہے۔ قائداعظم نے جس طرح ہندو قیادت اور انگریز حکمرانوں سے مذاکرات کیے ان میں مرکزی موضوعات پر توجہ کو مرکوز کرنا اور ضمنی اور جزدی امور میں الجھنے سے احتراز بہت نمایاں ہے۔ قائداعظم۔گاندھی خط و کتابت کے مطالعہ سے قائداعظم کا طریق کار کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ ہر گفتگو کے بعد وہ تحریر کے ذریعے گاندھی جی کو باندھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں گاندھی فرار کا راستہ کرتے ہیں وہ وہیں اپنی گرفت مضبوط کر لیتے ہیں۔ نیز اپنے فیصلوں کے بارے میں اپنی ورکنگ کمیٹی کو شریک کرتے ہیں اور اس کی توثیق کے بغیر کوئی commitment نہیں کرتے اور یہ رویہ اس شخص کا ہے جو حقیقت میں قائداعظم تھا اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی ہی نہیں برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں کا بادشاہ تھا۔ لیکن وہ بھی مشاورت اور توثیق کے بغیر بڑے فیصلے نہیں کرتا۔ دوسرا پہلو وہ ہے جو خان لیاقت علی خان کے لیاقت نہرو مذاکرات میں سامنے آتا ہے۔ جب دسیوں خطوں کے تبادلے کے باوجود کوئی حقیقی پیش رفت نہ ہوئی تو قائد ملت نے دوٹوک انداز میں پنڈت نہرو کو اپنے ۱۴ فروری ۱۹۵۰ کے خط میں باندھ لینے کی کوشش کی۔ جس پر پنڈت جی نے چپ سادھ لی اور یہیں سے پاک بھارت مذاکرات میں تعطل کا دور شروع ہوا۔

پنڈت نہرو چاہتے تھے کہ کشمیر کے مسئلے کا حل نکالنے سے پہلے "جنگ نہ کرنے کا معاہدہ" کرلیا جائے۔ لیاقت علی خان نے صاف لفظوں میں لکھا کہ ہم ایسے معاہدہ کے لیے بھی تیار ہیں لیکن مسئلہ محض ایک اعلامیہ کا نہیں اصل مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک واضح اور متعین طریق کار طے کرنے کا ہے جس کے دونوں پابند ہوں۔ آپ کو ان متنازع مسائل کا اعتراف کرنا ہو گا جو ہمارے درمیان حل طلب ہیں اور "ان کے حل کے لیے ایک ٹائم ٹیبل کا تعین بھی کرنا ہو گا یعنی یہ کہ اتنے مہینے میں یہ لازماً حل کر لیے جائیں گے اور اگر اس مقررہ مدت میں وہ حل نہ ہوں تو مسئلہ خود بخود طے شدہ طریقے کے مطابق ثالثی کے لیے پیش ہو گا" جس کے فیصلے کو دونوں کو تسلیم کرنا ہو گا---- یہ ہے فراست کا وہ راستہ جس سے آپ ہندو قیادت سے معاملہ کر سکتے ہیں ورنہ تجربہ یہی ہے کہ وقت پڑنے پر تو وہ بات چیت کے لیے تیار ہو جاتا ہے مگر ضمنی مسائل میں ایسا الجھاتا ہے کہ اصل مسائل کے حل کی طرف کوئی پیش رفت نہ ہو سکے۔ ۱۹۴۹ سے آج تک یہی اس کی ریت رہی ہے۔

تیسری اور آخری ضروری گزارش یہ ہے کہ اگر بھارت فی الحقیقت مسائل کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ اور آمادہ ہے تو آغاز کار ہی میں مندرجہ ذیل اقدام ایک متعین ٹائم ٹیبل کے مطابق کرنے کا اہتمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے:

(الف) اس امر کا اعتراف کہ کشمیر متنازع مسئلہ ہے جو محض کوئی سرحدی تنازع نہیں بلکہ اس کی اصل ۱۳ ملین انسانوں کا اپنے مستقبل کے فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق جموں اور کشمیر کے عوام کی آزادانہ مرضی سے کیا جائے گا۔

(ب) جموں اور کشمیر میں بھارتی فوج اور سیکیورٹی فورسز جو مظالم ڈھا رہی ہیں وہ فوری طور پر بند کیے جائیں گے۔ ظالمانہ قوانین (ٹیفڈا ایکٹ - نیشنل سیکیورٹی ایکٹ - آرمڈ فورسز اسپیشل پاورز ایکٹ وغیرہ) ختم کیے جائیں۔ اور بین الاقوامی میڈیا اور بین الاقوامی مبصرین کی معقول تعداد کو حالات مانیٹر کرنے کا موقع اور آزادی دی جائے گی۔

(ج) بھارت اپنی آرمڈ فورسز اور سیکیورٹی فورسز کو فوری طور پر تمام شہری اور دیہاتی علاقوں سے فوجی بیرکوں میں واپس لے جائے گا، تمام بنکر اور واچ ٹاورز ختم کیے جائیں گے اور ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق فوجوں کو جموں و کشمیر سے واپس بلانے کا کام شروع کیا جائے گا۔

(د) جموں اور کشمیر میں سیاسی عمل کو بحال کیا جائے گا۔ تقریر، تحریر اور سیاسی سرگرمیوں کی آزادی دی جائے گی اور عوام کے حقیقی نمایندوں کو سیاسی عمل اور مذاکرات میں شریک کیا جائے گا۔

(ھ) تمام گرفتار شدہ افراد کو رہا کیا جائے گا اور اسلحہ کے ذریعے سیاسی معاملات کو طے کرنے کا دروازہ بند کیا جائے گا--- سرکاری سطح پر بھی اور عوامی سطح پر بھی۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب فوجی اقتدار یا کٹھ پتلی حکومت کی جگہ کوئی معقول عارضی انتظام باہم مشورہ اور اقتدار سے طے پائے (جس میں پاکستان، بھارت اور جموں و کشمیر کے معتمد نمایندے شریک ہوں)

(و) جموں اور کشمیر کی پوری ریاست میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ریاست کے مستقبل کے بارے میں آزادانہ رائے شماری ممکن ہو سکے اور دونوں علاقوں کی سیاسی قیادت مسئلہ کے حل کے لیے سیاسی کردار ادا کر سکے اور اس کے لیے ایک قابل عمل پروگرام طے پا جائے۔

یہ چھ بنیادی امور ہیں جن کے ذریعے پاکستان، بھارت اور جموں و کشمیر کے حقیقی نمایندوں کے مشورے، تعاون اور رضامندی سے مسئلہ کے حل کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اگر بھارت کی قیادت اور عالمی طاقتیں مسئلہ کے حل کے بارے میں سنجیدہ ہیں تو ان اصولوں کی روشنی میں بند دروازے کھل سکتے ہیں اور مسدود راہیں واگزار ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ سب اس وقت ممکن ہے جب پاکستان کی قیادت تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے عزم، جرأت اور بالغ نظری سے اپنا موقف پیش کرے اور بھارت کی قیادت اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کر کے زمینی حقائق کو تسلیم کرنے اور ان عالمی جمہوری اصولوں کا پاس کرنے کو تیار ہو جن کا پرچار وہ ساری دنیا میں کرتی رہی ہے۔ آزمایش دونوں کی ہے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

(اس مضمون کے [illegible] کتابچہ [illegible] منشورات، منصورہ، لاہور)

© rasailojaraid.com